اداریہ

سرمایہ داری کے ہاتھوں زبانوں کا قتل عام

ساحل کا زیرِ نظر شمارہ مغربی استعمار کی قتل و غارت گری کی سیاہ تاریخ کے ایک باب پر مشتمل ہے۔ مغربی استعماری طاقتوں نے دنیا بھر میں اپنی نوآبادیات میں نسلوں اور زبانوں کو جس طرح قتل کیا اس کی تاریخ کی مختصر جھلکیاں اس شمارے میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ زبانیں کیسے متروک ہوئیں؟ کیسے مٹائی گئیں ان نام نہاد مہذب قوموں نے انسانیت انسانی حقوق، رواداری، روشن خیالی کے نام پر کیسے بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا۔

مغربی تہذیب، مغربی فلسفہ، سرمایہ داری، جمہوریت، بنیادی حقوق، عالمگیریت، آزادی، آزادی اظہار رائے،، مساوات ترقی اور فلاح [پروگریس و ڈیولپمنٹ] کے مغربی نظریات کا طوفان مذاہب، تہذیبوں، ثقافتوں اور زبانوں کے لیے عالمگیر خطرہ بن چکا ہے۔ مغربی تہذیب کے عروج کے بعد دنیا میں کوئی نئی زبان وجود میں نہیں آئی، لیکن ہزاروں زبانیں قتل کر دی گئیں، یہ قتل امریکی، برطانوی، ہسپانوی، روسی، ولندیزی، جرمنی، اطالوی، پرتگیزی، فرانسیسی اور ہندی استعماری طاقتوں کے ہاتھوں ہوا جس کی طویل تاریخ ہے۔ زیرِ نظر شمارے میں اس تاریخ کے چند گوشوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ امریکہ کی بنیاد ستر لاکھ سرخ ہندیوں کی لاشوں پر رکھی گئی اور ان کی ہزاروں زبانیں مٹا دی گئیں، براعظم آسٹریلیا میں برطانوی استعمار نے سینکڑوں زبانوں کو قتل کر دیا۔ زنا کاری، پرتعیش زندگی، خاندانی نظام کے خاتمے کے باعث زبانیں تیزی سے مٹ رہی ہیں، مغرب نے مصنوعی زبانیں اسپرانتو، اوکسی دینتال، ودلاپوک تیار کیں، لیکن یہ زبانیں کامیاب نہ ہوسکیں۔ دنیا بھر میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب، تہذیب اور ثقافت ہے جس نے نسلوں اور زبانوں کے قتل عام میں کبھی بھی حصہ نہیں لیا وہ جہاں بھی گیا وہاں کی زبانوں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوا۔

سرمایہ داری بے شمار الفاظ کا قتل عام کر رہی ہے، جدیدیت کے مقتول الفاظ کی طویل فہرست ہے اردو زبان کے بے شمار عمدہ الفاظ مغربی تہذیب نے قتل کر دیئے ہیں، اس کی تفصیلات اس رسالے میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ متروک الفاظ پر تحقیق کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ متروک الفاظ کے ذریعے ہم گزشتہ کئی سو برس کے سیاسی، سماجی، ثقافتی، علمی، ادبی، تحقیقی، مذہبی، تہذیبی، تمدنی اور

معاشرتی تغیرات کا جائزہ لے سکتے ہیں جو برعظیم کے معاشرے میں برپا ہوئے اور جس کے نتیجے میں بہت سے لفظ فراموش ہوگئے یا فراموش کر دیے گئے۔ اس جائزے کے ذریعے استعماری طاقتوں کے اثرات کا بھی اندازہ ہوگا۔ ہر لفظ کا ایک خاص علمیاتی، تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی پس منظر ہوتا ہے جب ایک لفظ ہمارے حافظے سے محو ہوجائے یا ہم اسے بھول جائیں یا بھلا دیں تو اس لفظ کے ساتھ وابستہ تاریخ اور ثقافت بھی طاق نسیاں کی زینت بن جاتی ہے۔ یہ متروکات ہمیں صرف یہ نہیں بتاتے کہ لفظ متروک ہوگیا ہے بلکہ وہ اس لفظ کے متروک ہونے کی اصل وجوہات سے بھی مطلع کرتے ہیں جس کی بنیادیں اس قوم کی تاریخ، تہذیب، مذہب اور تمدن ذرائع معیشت طرز معاشرت، ثقافت، علمیاتی اساس، مابعدالطبیعیاتی نظریات اس کے طرز زندگی میں پیوست ہوتی ہیں۔ متروک لفظ بتاتا ہے کہ کونسی روایت متروک ہوئی کون سا طرز مٹ گیا جس کے باعث اس کے اظہار کی صورتیں بھی متروک قرار پائیں۔ ہم نے کن تاریخی وثقافتی اقدار کو بھلا دیا ہے۔

ایک مختصر سا لفظ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اگر وہ متروک ہوجائے تو اس کی اہمیت دو چند ہوجاتی ہے کیونکہ اب صرف لفظ نہیں رہتا گزری ہوئی تاریخ، فراموش شدہ تمدن، تہذیب اور روایت کی داستان بھی اپنے سینے میں سمو لیتا ہے اور بلبل ہزار داستان بن جاتا ہے۔

ایک مختصر سے لفظ میں ایک خاص عہد، خاص زمانے کی مذہبی تہذیبی روایات اور اقدار کی بہت سی جھلکیاں بھی ہوتی ہیں لہٰذا جب کوئی لفظ متروک ہوجائے تو یہ معمولی حادثہ نہیں ہے۔ یہ ایک غیر معمولی سانحہ ہے کیوں کہ صرف ایک لفظ متروک نہیں ہوا۔ اس سے وابستہ بے شمار روایات بھی متروک ہوگئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس تہذیب وتمدن اور مذہب کی روایات میں یا تو بنیادی تبدیلی پیدا ہوئی یا تحریف کا عمل شروع ہوگیا یا جدیدیت روایت پر غالب آ گئی یا ایسے ثقافتی، معاشرتی حالات پیدا کر دیئے گئے یا پیدا ہوگئے جن کے باعث وہ لفظ زبان سے خارج ہوگیا۔ الفاظ اپنے عہد کے نظام اخلاق اور معاشرتی رویوں کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں اور لفظوں کی تحقیق سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس عہد میں اخلاقیات کی سطح کیا تھی اور شرافت کا معیار کیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں آپ اس عہد کی مذہبی حالت کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مذہب معاشرت پر کس حد تک اثر انداز تھا اور اس کی گرفت کس درجے کی تھی۔ ''ہر لفظ اپنی تاریخ میں اپنا شجرہ نسب پوشیدہ رکھتا ہے'' ''بہت سے لفظ ایک قوم کی سیاسی، اخلاقی، معاشرتی ترقی یا زوال کی روداد لیے ہوئے ہیں''۔ لغات لفظوں کی سوانح عمری ہے کوئی خبر کوئی سانحہ اور واقعہ ایسا نہیں ہوتا جو ماضی میں ظہور پذیر ہو چکا ہو اور لغات میں درج نہ ہو'' اگر ایک ایک قوم کی تاریخ کے دفتر فنا ہو جائیں مگر اس کا لغات موجود ہو تو اس کی مدد سے قوم کی تاریخ پھر مرتب ہو سکتی ہے۔ لفظ گمشدہ تاریخ، گمشدہ تہذیب وتمدن اور تاریخ کی گرد میں ملفوف واقعات وحادثات کی سچی تصویر کھینچ دیتے ہیں''۔

بہت سے متروک الفاظ اپنی خاموش زبان سے ہم کو سنانے کے لیے بہت سے ایسے واقعات یاد رکھتے ہیں جنھیں کاغذی تاریخ کے اوراق بھلا چکے ہیں۔

متروکات اور اخلاقیات:

اخلاقیات کے معیار میں تبدیلیوں سے بھی الفاظ کے استعمال میں تغیر آجاتا ہے اور عمدہ الفاظ کی جگہ ہلکے اور بے ہودہ الفاظ لے لیتے ہیں، تہذیب اور شائستگی کے پیمانے آوارہ مزاجی اور بے مہار آزادی کے جلو میں مٹنے لگتے ہیں اور اس کا اظہار زبان و بیان کی نزاکتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ سرمایہ داری، عالمگیریت، جدیدیت، آزادی، آزادی اظہار رائے کے نام پر دنیا کی بے شمار زبانوں کے الفاظ مٹا دیے گئے۔ جدیدیت نے اردو زبان کے بے شمار الفاظ کا قتل عام کیا جس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے: مثلاً آج خواتین ڈاکٹروں سے گفتگو کرتے ہوئے بے تکلف ''ایام حیض کے لیے Menses کا لفظ استعمال کرتی ہیں لیکن ساٹھ ستر سال قبل نہ ایام حیض استعمال ہوتا تھا نہ Menses، گفتگو کا طریقہ ہی دوسرا تھا۔ ''حکیم صاحب گزشتہ تین ماہ سے آپ کی بہو کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی''۔ بین السطور میں بات کہہ دی گئی، اس عہد میں گفتگو کا دوسرا اسلوب بھی موجود تھا مگر وہ بھی بہت مہذبانہ تھا ''حکیم صاحب بچی کو پھول نہیں آرہے''۔ ''پھول آنا'' اور ''اروندسے'' حائضہ ہونے کے معنی میں تھے۔ اب یہ لفظ متروکات میں داخل ہے۔ Vagina کا لفظ عورتیں عموماً استعمال کرتی ہیں کیوں کے اس کے اردو متبادلات فحش معلوم دیتے ہیں لیکن قدیم عہد میں اس کے لیے ''شلفینہ''، ''بل''، قبل، یُر، بھگ، ٹھیکری، چڑ موجود تھے جو اب متروک ہوگئے ہیں۔ مادہ منویہ کے لیے ''شلیخ'' استعمال ہوتا تھا۔ کرسف جیسے لفظ کی جگہ سینٹری ٹاول مستعمل ہے۔

مقامیت سے گریز کی روایت:

تحریک پاکستان کا ایک افسوسناک باب اردو ہندی تنازعہ بھی ہے۔ اس مسئلے کی بنیادیں مسلمانوں کی ''مقامیت سے گریز کی حکمت عملی اور آٹھویں صدی میں ہندی ادبی روایت کی تحریک میں اور انگریزوں کی آمد اور فورٹ ولیم کالج کے ذریعہ ہندوؤں کے لسانی تعصب اور انگریزوں کی سیاست میں ملتی ہیں۔

مسلمانوں کے زوال کا سبب:

دنیا بھر میں مسلمانوں کے عروج و زوال کے پیمانوں کو خالص مادی نقطہ نظر سے جانچا جارہا ہے جس کا نتیجہ پے در پے شکست ہے۔ مسلمانوں کا زوال اس دن شروع ہوگیا تھا جس دن انھوں نے دلوں کو تسخیر کرنے کے لیے دعوت و تبلیغ کے اصل فریضہ سے ہاتھ اٹھالیا اور تسخیر کائنات کشور کشائی اور جہاں آرائی کو اصل فریضہ حیات سمجھ لیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب دعوت و تبلیغ کے کام

سے عدم دلچسپی کا رویہ تھا۔قرآن اور سنت سے عروج کا جو مفہوم ملتا ہے وہ سورۃ نصر میں واضح کر دیا گیا ہے ''فی دین اللہ افواجاً'' اسلام اور امت مسلمہ روئے زمین پر قبضہ کرنے ،سروں کے مینار کھڑے کرنے، کشتوں کے پشتے لگانے اور کائنات کو تسخیر کرنے کے لیے مامور نہیں کی گئی ،اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو تسخیر کائنات کے لیے نہیں عبادت رب کے لیے پیدا کیا ہے۔اس امت کا اصل کام دعوت وتبلیغ ہے۔ یہ دعوت ہی اس امت کی مخفی اور حرکی توانائی کی روح ہے۔اس دعوت کی راہ میں درپیش ہر رکاوٹ کے خلاف حالات و زمانہ کی رعایت اور قرآن وسنت میں طے شدہ اصولوں کے مطابق اجتہاد، جہاد اور قتال کی مکمل اجازت ہے۔ یہ امت بنیادی طور پر امت وسط ہے اس کا اصل کام دعوت ہے، اقتدار، حکومت، طاقت، شان وشوکت اگر دعوت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور لوگ دین کے دائرے میں داخل نہ ہوں تو فتوحات کا کیا فائدہ؟ دعوت کا یہ عمل اس بے پناہ محبت اور شفقت کے بطن سے پھوٹتا ہے جس میں داعی مدعو کی خیر خواہی کے لیے ہمہ وقت بے قرار رہتا ہے۔اس کی واحد آرزو یہی ہوتی ہے کہ اس کے عزیز، اقارب اطراف و جوانب کے سب لوگ جنت میں داخل ہو جائیں یہ آرزو اس کے اندر ایک ایسی تڑپ گذار کشش تب وتاب، سوز وساز اور بے قراری پیدا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رسول رحمتؐ سے کہنا پڑتا ہے کہ'' آپ دار وغہ نہیں ہیں کیا آپ اپنی جان کو ان کے غم میں گھلا دیں گے''۔محبت کا یہ جھرنا جس قلب سے پھوٹتا ہے وہ قلب دنیا کے پورے قالب کو بدل ڈالتا ہے وہ خلق کے لیے ریشم کی طرح نرم اور رزم حق و باطل میں فولاد کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔

عروج وزوال کا اسلامی تصور:

دلوں کو فتح کرنا ہی عروج ہے اگر ساری کائنات تسخیر ہو جائے اور فتح بھی ہو جائے لیکن کسی ایک فرد کا دل نہ بدلے اور وہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو تو یہ عروج نہیں زوال ہے۔ یہ عروج طاقت سے نہیں محبت کی کیفیت سے عطا ہوتا ہے۔خلق سے محبت ایسی محبت جو مدعو کو فتح کر لے یہ فتح دائمی ہوتی ہے۔ جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ بھی ہے اور فاتح آخرت بھی۔عباسی عہد سے لے کر آج تک پوری دنیا کی اسلامی تاریخ میں کوئی ایسی تحریک نہیں ملتی جس نے غیر مسلموں میں دعوت دین اور تبلیغ کو اپنی تحریک کا اصل ہدف قرار دیا ہو، اس وقت دنیا بھر میں کام کرنے والی تمام تحریکیں یا تو مسلمانوں کو مسلمان رکھنے کی تحریکیں ہیں یا محض اصلاح اور احیاء کی تحریکیں ہیں۔

دعوت اور احیاء کی تحریکوں کا فرق:

دعوت و اصلاح کی تحریکیں اور احیاء کی تحریکوں میں ایک بنیادی نوع کا فرق ہے۔ دونوں

تحریکوں کی اہمیت اپنی جگہ لیکن دونوں کا طریقہ کار مختلف ہے۔ احیاء کی تحریکیں نعرہ مستانہ، ہمت مردانہ اور جرأت رندانہ پر یقین رکھتی ہیں۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح آتی اور چھاتی چلی جاتی ہیں۔ ان کے مثبت اثرات بھی ہوتے ہیں، منفی اثرات بھی، اس کے برعکس دعوت وتبلیغ کی تحریکوں کا کام، کام کا اسلوب اور معاشرے میں اثر پذیری کا طریقہ احیائی واصلاحی تحریکوں سے الگ ہوتا ہے، وہ شبنم اور دیمک کی طرح کام کرتی ہیں۔ شبنم کی آواز کبھی کسی نے سنی ہے؟ لیکن صبح طلوع فجر کے وقت ہر پھول، شاخ، پتہ، گھاس کی پتی زمین کا ذرہ ذرہ شبنم سے تر بتر ہوتا ہے۔ صبح سویرے شبنم روئے زمین کا منہ دھلاتی ہے اور اس زمین پر موجود ہر شے کو اپنے وجود سے تر وتازہ کر دیتی ہے۔ دیمک اپنا کام رفتہ رفتہ دکھاتی رہتی ہے، جب کام مکمل ہو جاتا ہے تو وہ نمودار ہوتی ہے۔ اس کے طلوع کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس نے کام اب شروع کیا ہے، جب وہ عمارت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیتی ہے تو نمودار ہوتی ہے اور اپنے توانا وجود کا اعلان کرتی ہے۔ دعوت کی تحریکیں نیچے سے اوپر کی طرف جاتی ہیں جبکہ احیائی تحریکیں اوپر سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہیں، ایک سفر فرش سے شروع ہوتا ہے دوسرا سفر عرش سے دعوتی تحریکیں فرد کو بدلتی ہیں پھر معاشرے کو بدلتی ہیں، دوسری تحریکیں حکومت کو بدلنا چاہتی ہیں دونوں میں تطابق کی ضرورت ہے۔ دعوت دین کا کام نہایت صبر وتحمل، عرق ریزی، قربانی اور صلہ وستائش کی تمنا سے بے پرواہو کر محض آخرت کی کامیابی کے لیے ہوتا ہے۔ یہ دنیا اور اس دنیا کے علائق سے داعی بے پرواہ ہوتا ہے۔ وہ حاضر وموجود سے بے زار ہوتا ہے۔

اسے تمکن فی الارض نعروں اور اقتدار کے لیے غیر اخلاقی رسہ کشی کے نتیجے میں نہیں انعام کے طور پر عطا کیا جاتا ہے جس کا وعدہ اللہ نے ان بندوں سے کیا ہے جو ''صالح ہیں'' دعوت کی تحریکیں دین کا بنیادی کام کرتی ہیں، وہ قربانی لینے کے بجائے قربانی دینے کو اہم سمجھتی ہیں، وہ انبیاء کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ''لوگوں سے اجر کی طلب گار نہیں ہوتیں'' دعوت اور اجرت کی طلب قرآن کی نظر میں دو متضاد نقطہ نظر ہیں۔ داعی حریص اور منصب کا طالب نہیں ہوتا وہ کسی کا حریف نہیں ہوتا وہ ہر ایک کا خیر خواہ ہوتا ہے، اس کی مثال سورج اور چاند کی طرح ہوتی ہے جو بلاتفریق اپنی روشنی سے کافر ومومن کو یکساں طور پر مستفید کرتے ہیں۔ اس لیے داعی دلوں کو فتح کرتا ہے اس کا اقتدار دائمی ہوتا ہے۔ اسے عارضی اقتدار بھی عطا ہوتا ہے۔ سیاست دان اقتدار کو فتح کرتا ہے یہ عارضی ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ بھرپور کوشش کرتا ہے۔ عالم اسلام کی تحریکیں تبلیغ دین کی تحریکیں نہیں ہیں ان کے مخاطب مسلمان ہیں، غیر مسلم اور کفار نہیں۔ ان معنوں میں ہندوستان میں مسلمانوں کا زوال یہی تھا کہ اقتدار ملنے کے بعد وہ فریضہ دعوت سے غافل ہو گئے اور عروج کے اس تصور کو بھول گئے جو سورہ نصر میں بیان ہوا ہے کہ ''لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

عروج یہی ہے کہ دنیا کے تمام لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر جنت کے حقدار ہو جائیں۔ اگر یہ عروج حاصل نہ ہوا تو زوال مقدر ہے لہٰذا طاقت ور ہونے کے باوجود بہت سی مسلمان ریاستیں اصلاً زوال پذیر ریاستیں ہیں عروج سائنس کی ترقی اور بلند معیار زندگی سے نہیں ملتا، عروج کا اسلامی تصور یہ ہے کہ کتنے لوگ آخرت میں کامیابی کے حقدار ٹھہرے اور اس کا مادی مظہر یہ ہے کہ کتنے لوگوں نے دل و جان کے ساتھ دین کی دعوت کو قبول کیا۔ افسوس کہ عصر حاضر کے بیشتر مسلم مفکرین کے یہاں عروج کا تصور محض مسلمانوں کا اقتدار سائنسی اور معاشی ترقی رہ گیا ہے۔ مادیت کے تصور میں آخرت بھرتی کے طور پر شامل ہے۔

یہ سوال نہایت اہم ہے کہ ہندوستان میں ریاستی سطح پر تبلیغ و دعوت کا کام کیوں نہیں ہو سکا یا کیوں نہیں کیا گیا اور مسلمانوں نے مقامی زبانوں کی تحصیل اور اس میں کمال حاصل کرنے پر کیوں توجہ نہیں دی۔ اگر صوفیاء بزرگ، درویش نہ ہوتے تو ہند میں مسلمانوں کی تعداد برائے نام ہوتی، صوفیا بزرگ اور درویش معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھتے تھے وہ ہندوستان کی تمام اہم زبانوں سے واقف تھے جس خطے کو تبلیغ کے لیے چنتے اس کی زبان رسوم و رواج اور عادات و اطوار سے گہری واقفیت پیدا کرتے اسی لیے اکثر صوفیا و درویش ماہر لسانیات بھی ہوتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمان علماء بھی چار پانچ زبانیں عام طور پر جانتے تھے۔ مسیحی بھائیوں میں زبانیں سیکھنے کا زبردست رجحان تھا اس کی بنیادی وجہ صلیبی دعوت و تبلیغ کی روح ہے جس کے زیر اثر مسیحی راہبوں نے دنیا کے کونے کونے کو چھان مارا اور زبانوں پر عبور حاصل کیا۔